عیدگاہ
پریم چند

تخلیق : عیدگاہ

تخلیق کار : پریم چند

قیمت : دس روپے 10/-

ایڈیشن : ۱۹۸۹۸ء

پبلشر :

سرودیہ ساہتیہ سنستھان

بی ۱۰۸، سوریہ نگر ۲۰۱۰۱۱ - ضلع غازی آباد (یو۔پی)

عیدگاہ

رمضان کے پورے تیس روزوں کے بعد آج عید آئی تھی۔ کتنی پیاری، کتنی اچھی کتنی سُہاونی صبح ہے۔ درختوں پر عجیب ہریالی ہے، کھیتوں میں کچھ عجیب رَونق ہے آسمان پر عجیب سا اُمیدوں بھرا رنگ بکھرا ہے۔ آج کا سورج دیکھو تو کتنا پیارا، کتنا خوب صورت ہے، مانو دُنیا کو عید کی مبارک باد دے ہے۔ گاؤں میں کتنی چہل پہل ہے۔

عیدگاہ جانے کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ کسی کے کُرتے میں بٹن نہیں ہیں وہ پڑوس کے گھر سوئی دھاگا لینے کے لیے بھاگا جا رہا ہے۔ کسی کے جوتے سخت ہوگئے ہیں، اُن میں تیل ڈالنے کے لیے تیلی کے گھر کی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ جلدی جلدی بیلوں کی سانی، پانی دے دیں۔ عیدگاہ سے لَوٹتے لوٹتے دوپہر ہو جائے گی۔ تین کوس کا پَیدل راستہ، پھر سینکڑوں آدمیوں سے مِلنا جُلنا، دوپہر سے پہلے واپس آنا ناممکن ہے۔ لڑکے سب سے زیادہ خوش ہیں۔ کسی نے ایک روزہ ہے، وہ بھی دوپہر تک۔ کسی نے وہ بھی نہیں رکھا لیکن عیدگاہ جانے کی خوشی اُن کے حصّے کی چیز ہے۔ روزے بڑے بوڑھوں کے لیے ہوں گے، اِن کے لیے تو عید ہے۔ روز عید کا نام رٹتے تھے، آج آ ہی گئی۔ اب جلدی پڑی ہے۔ لوگ عیدگاہ کیوں نہیں چلتے۔ اِنھیں گرہستی کی فکروں سے کیا لینا دینا —— سوئیوں کے لیے دودھ اور شکر گھر میں ہے یا نہیں یہ تو اِن کی بلا سے۔ یہ تو سوئیاں کھائیں گے۔

وہ کیا جانیں کہ ابّا جان کیوں بدحواس سے چودھری قائم علی کے گھر کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ اُنھیں کیا خبر کہ آج چودھری آنکھیں بدل لیں تو ہماری عید محرم ہو جائے۔ اُن کی اپنی جیبوں میں تو کُبیر کا خزانہ بھرا ہوا ہے بار بار اپنی جیب سے اپنا خزانہ نکال کر گِنتے ہیں اور خوش ہو کر رکھ لیتے ہیں۔ محمود گِنتا ہے ایک دو، دس بارہ۔ اُن کے پاس بارہ پیسے ہیں۔

مُحسن کے پاس ایک، دو، تین، آٹھ، نو، پندرہ پیسے ہیں۔ اِنھیں اَن گنت پیسوں سے اَن گنت چیزیں لائیں گے۔ کھلونے، مٹھائیاں بِگُل، گیند اور نہ جانے کیا کیا۔

اور سب سے زِیادہ خوش ہے حامد۔ وہ چار پانچ سال کا غریب صورت شکل، دُبلا پتلا، لڑکا، جِس کا باپ پِچھلے سال ہیضے کی نذر ہو گیا۔ اور ماں نہ جانے کیوں پیلی ہوتی ہوئی ایک دِن مر گئی۔ کِسی کو پتہ نہ چلا کہ کیا بیماری ہے۔ کہتی بھی تو کون سُننے والا تھا۔ دِل پر جو کچھ بیتتی تھی وہ دِل پر ہی سہہ لیتی تھی۔ اور جب نہ سہا گیا تو دُنیا سے چلی گئی۔ اب حامد اپنی بوڑھی دادی ماں امینہ کی گود میں سوتا ہے اور اُتنا ہی خوش ہے۔ اُس کے ابّا جان روپے کمانے گئے ہیں اور امّی جان اللہ میاں کے گھر سے اُس کے لیے اچھی اچھی چیزیں لینے گئی ہیں۔ اِس لیے حامد خوش ہے۔ اُمّید تو بڑی چیز ہے اور پِھر بچّوں کی اُمّید۔ اُن کی سوچ تو رائی کو پہاڑ بنا لیتی ہے۔ حامد کے پاؤں میں جوتے نہیں ہیں، سر پر ایک پُرانی دُھرانی ٹوپی ہے۔ جِس کا گوٹہ کالا پڑ گیا ہے، پھر بھی وہ خوش ہے۔ جب

اُس کے ابّا جان تھیلیاں اور امّی جان نعمتیں لے کر آئیں گی تو وہ دِل کے اَرمان نِکال لے گا۔ تب دیکھے گا محمود، مُحسن، نورے اور سمّی کہاں سے اُتنے پیسے نِکالیں گے۔ بدنصیب آمینہ اپنی کوٹھری میں بیٹھی رُو رہی ہے۔ آج عید کا دِن اور اُس کے گھر میں دانہ نہیں!

آج عابد ہوتا تو کیا اِسی طرح عید آتی اور چلی جاتی۔ اِسی اندھیرے اور مایوسی میں وہ ڈوبی جا رہی تھی۔ کِس نے بُلایا تھا اِس نگوڑی عید کو؟ اِس گھر میں اُس کا کام نہیں ہے۔ لیکن حامد — ! اُسے کِسی کے مَرنے جینے سے کیا مطلب؟ اُس کے اندر روشنی ہے، باہر اُمید۔ مصیبت اِتنی ساری طاقت لے آئے مگر حامد کے ہونٹوں پر ناچتی ہوئی ہنسی پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

حامِد اندر جا کر دادی ماں سے کہتا ہے "تُم ڈرنا نہیں اماں، مَیں سب سے پہلے آؤں گا — بالکل نہ ڈرنا۔"

آمینہ کا دِل اُچاٹ ہو گیا۔ گاؤں کے بچّے اپنے اپنے ابّا جان کے ساتھ جا رہے ہیں۔ حامد کا باپ آمینہ کے سِوا اور کون ہے؟ اُسے کیسے اَکیلے میلے میں جانے دے۔ اَیسی بھیڑ بھاڑ میں بچہ کہیں کھو جائے تو کیا ہو؟

نہیں، آمینہ اُسے یوں نہ جانے دے گی — ننھی سی جان! تین کوس چلے گا کیسے؟ پاؤں میں چھالے پڑ جائیں گے۔ جوتے بھی تو نہیں ہیں۔ وہ تھوڑی تھوڑی دُوری پر اُسے گود لے لے گی — لیکن یہاں سِوَیّاں کون پکائے گا؟ پیسے ہوتے تو لوٹتے لوٹتے سب سامان جمع کر کے چٹ پٹ بنا لیتی۔ یہاں تو گھنٹوں چیزیں جمع کرتے لگیں گے۔ مانگے کا ہی تو

بھروسہ ٹھہرا۔ اُس دِن فہیمن کے کپڑے سیئے تھے، آٹھ آنے کے پیسے مِلے تھے۔ اُس اَٹھنی کو ایمان کی طرح بچاتی چلی آ رہی تھی اِسی عید کے لیے۔ لیکن کل گوالن آکر سر پر سوار ہو گئی، تو کیا کرتی؟ حامد کے لیے کچھ نہیں ہے تو دو پیسے کا دودھ تو چاہیے ہی۔ اب تو کُل دو آنے پیسے بچ رہے ہیں۔ تین پیسے حامد کی جیب میں، پانچ اَمینہ کے بٹوے میں۔ یہی تو ہے اُس کے لیے عید کا تہوار۔ اللہ ہی بیڑہ پار لگائے گا۔ دھوبن، نائن، مہترانی اور بھنگی سارے ہی تو آئیں گے، سب کو ہی سوئیاں چاہئیں اور تھوڑا کِسی کی آنکھ میں نہیں لگتا۔ کِس کِس سے مُنہ چُرائے گی اور مُنہ چُرائے بھی تو کیوں۔ سال بھر کا تہوار ہے۔ زِندگی خیریت سے رہے، اُن کی تقدیر بھی تو اُسی کے ساتھ ہے۔ بچّے کو خدا سلامت رکھے، یہ دِن بھی کٹ جائیں گے۔

گاؤں سے میلہ چلا۔ اور بچّوں کے ساتھ حامد بھی جا رہا تھا۔ کبھی سب کے سب دَوڑ کر آگے نِکل جاتے۔ پھر کِسی پیڑ کے نیچے کھڑے ہو کر ساتھ والوں کا اِنتظار کرتے۔ یہ لوگ کیوں اِتنا آہستہ آہستہ چل رہے ہیں؟ حامد کے پاؤں کو تو جیسے پَر لگ گئے ہوں۔ وہ کبھی تھک سکتا ہے؟ شہر کا دامن آ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف امیروں کے باغیچے پکّی چہار دیواری بنی ہوئی ہے پیڑوں میں آم اور لیچیاں لگی ہوئی ہیں۔ کہیں کہیں کوئی لڑکا کنکڑی اُٹھا کر آم پر نِشانہ لگاتا ہے۔ مالی اندر سے گالی دیتا ہوا نِکلتا ہے۔ لڑکے وہاں سے ایک فرلانگ پر ہیں۔ خوب ہنس رہے ہیں، مالی کو وَیسے ہی اُلّو بنایا ہے۔

بڑی بڑی عمارتیں آنے لگیں۔ یہ عدالت ہے، یہ کالج ہے، یہ کلب گھر ہے۔ اِتنے بڑے کالج میں کِتنے لڑکے پڑھتے ہوں گے؟ سب لڑکے نہیں ہیں جی! بڑے بڑے آدمی ہیں، سچ! اُن کی بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔ اِتنے بڑے ہوگئے، ابھی تک پڑھنے جاتے ہیں۔ نہ جانے کب تک پڑھیں گے اور کیا کریں گے اِتنا پڑھ کر۔ حامد کے مدرسے میں تو دو تین بڑے بڑے لڑکے ہیں، بالکل تین کوڑی کے، روز مار کھاتے ہیں۔ کام سے جی چرانے والے۔ اِس جگہ بھی اُسی طرح کے لوگ ہوں گے، اور کیا۔ کلب گھر میں جادو ہوتا ہے۔ سُنا ہے یہاں مُردوں کی کھوپڑیاں دَوڑتی ہیں اور بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں، پر کسی کو اندر جانے نہیں دیتے۔ اور شام کو یہاں صاحب لوگ کھیلتے ہیں، بڑے بڑے آدمی کھیلتے ہیں۔ مونچھ والے داڑھی والے۔ اور میمیں کھیلتی ہیں، سچ! ہماری امّاں کو وہ دے دو کیا بولتے ہیں بَیٹ تو وہ پکڑ ہی نہ سکیں، گُھماتے ہی نہ لُڑھک جائیں۔

محمود نے کہا ہماری امّی جان کے تو ہاتھ ہی کانپنے لگیں، اللہ قسم۔

محسن بولا منوں آٹا پیس ڈالتی ہیں۔ ذرا سا بَیٹ پکڑ لیں گی تو ہاتھ کانپنے لگیں۔ سینکڑوں گھڑے پانی روز نِکالتی ہیں۔ پانچ گھڑے تو میری بھینس پی جاتی ہے۔ کِسی میم کو ایک گھڑا پانی بھرنا پڑے تو آنکھوں تلے اندھیرا آجائے۔

محمود، لیکن دَوڑتی تو نہیں، اُچھل کود تو نہیں سکتیں؟

محسن، ہاں اُچھل کود تو نہیں سکتیں۔

لیکن اُس دِن میری گائے کُھل گئی اور چودھری کے کھیت میں چلی گئی تھی تو امّاں اِتنی تیز دَوڑیں کہ مَیں اُنھیں نہ پا سکا، سچ!

آگے چلے حلوائیوں کی دُکانیں شروع ہوئیں۔ آج خوب سجی ہوئی تھیں۔ اِتنی مِٹھائیاں کون کھاتا ہے۔ سُنا ہے رات کو جِنّ بھوت آکر خرید لے جاتے ہیں۔ ابّا کہتے تھے کہ آدھی رات کو ایک آدمی ہر دُکان پر جاتا ہے اور جِتنا مال بچا ہوتا ہے وہ تُلوا لیتا ہے اور سچ مچ کے روپے دیتا ہے بالکل اَیسے ہی روپے۔

حامد کو یقین نہ آیا۔ اَیسے روپے بھُوت کو کہاں سے مِل جائیں گے؟

محسن نے کہا بھُوت کو روپے کی کیا کمی؟ جِس خزانے میں چلے جائیں لوہے کا دروازہ تک اُنھیں نہیں روک سکتا۔ ہیرے جواہرات تک اُن کے پاس رہتے ہیں۔ جِس سے خوش ہوگئے، اُسے ٹوکرے بھر کر جواہرات دے دیئے۔ ابھی یہیں بیٹھے ہیں، پانچ منٹ میں کلکتہ پہنچ جائیں۔

حامد نے پھر پوچھا، یہ بھُوت تو بہت بڑے بڑے ہوتے ہوں گے؟

مُحسن، ایک ایک بھوت آسمان کے برابر ہوتا ہے۔ جی۔ زمین پر کھڑا ہو جائے تو اُس کا سر آسمان سے جا لگے۔ مگر چاہیں تو وہ ایک لوٹے میں گھُس جائیں۔

حامد! یہ تو مَیں نہیں جانتا، لیکن چودھری صاحب کے قابو میں بہت سے بھوت ہیں۔ کوئی چیز چوری ہو جائے تو چودھری صاحب اُس کا پتہ لگا دیں اور چور کا نام بھی بتا دیں گے۔ جمعراتی کا بچھڑا اُس

کھو گیا تھا۔ تین دِن پریشان ہوئے، کہیں نہ مِلا۔ تب تھک ہار کر چودھری کے پاس گئے۔ چودھری نے جھٹ بتا دِیا کہ مویشی خانے میں ہے، اور وہیں مِلا۔ بھُوت آکر اُنھیں ساری دُنیا کی خبریں دے جاتے ہیں۔

اب اُس کی سمجھ میں آگیا کہ چودھری صاحب کے پاس کیوں اِتنی دَولت ہے اور کیوں اُن کی اِتنی عزّت ہے۔

آگے چلے، یہ پولیس لائن ہے۔ یہیں پر سب کانسٹبل پریڈ کرتے ہیں۔ ریٹن، فائے، فو۔ رات کو بے چارے گھُوم کر پہرہ دیتے ہیں۔ نہیں تو چوریاں ہوں۔

محسن نے جھٹ کہا، یہ کانسٹبل پہرہ دیتے ہیں؟ تب تم بہت جانتے ہو۔ اجی حضرت، یہی چوری کراتے ہیں، شہر کے جِتنے چور ڈاکو ہیں سب اِن سے مِلے رہتے ہیں۔ رات کو یہ چور سے کہتے ہیں کہ چوری کرو اور آپ دوسرے محلّے میں جاکر جاگتے رہو، پکارتے ہیں۔ تبھی تو اِن لوگوں کے پاس اِتنے روپے پیسے آتے ہیں۔ میرے ماموں ایک تھانے میں کانسٹبل ہیں، بیس روپے مہینہ پاتے ہیں پر پچاس روپے ہر ماہ گھر بھیجتے ہیں، اللہ قسم۔ مَیں نے ایک بار اپنے ماموں سے پوچھا تھا ــــــ ماموں! آپ اِتنے روپے کہاں سے پاتے ہیں؟

ہنس کر کہنے لگے ــــــ بیٹا، اللہ دیتا ہے۔ پھر آپ ہی بولے:

ہم چاہیں تو ایک ہی دِن میں لاکھوں روپے مار لائیں۔ ہم تو اِتنا ہی لیتے ہیں جس سے اپنی بدنامی نہ ہو اور نوکری نہ چلی جائے۔

حامد نے پوچھا، یہ لوگ چوری کرواتے ہیں تو کوئی اِنھیں پکڑتا نہیں؟

محسن اُس کی نادانی پر رحم کھاکر بولا:

ارے پاگل، اِنھیں کون پکڑے گا۔ پکڑنے والے تو یہ خود ہی ہیں۔ لیکن اللہ اِنھیں سزا بھی خوب دیتا ہے۔ حرام کا مال حرام میں جاتا ہے۔

ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے ماموں کے گھر میں آگ لگ گئی۔ ساری لی ہوئی پونجی جل گئی۔ ایک برتن تک نہ بچا۔ کئی دِن درخت کے نیچے سوئے۔ پھر نہ جانے کہاں سے ایک سو روپے اُدھار لائے تو برتن کوڑی خریدے۔

حامد، ایک سَو تو پچاس سے زیادہ ہوتے ہیں؟

کہاں پچاس، کہاں ایک سَو؟ پچاس سے ایک تھیلی بھر ہوتا ہے، اور سَو تو دو تھیلیوں میں بھی نہ آسکیں۔

اب بستی گھنی ہونے لگی ہے۔ عیدگاہ جانے والوں کی ٹولیاں نظر آنے لگیں۔ ایک سے ایک بھڑکیلے کپڑے پہنے ہوئے۔ کوئی تانگے پر سوار ہے تو کوئی موٹر پر۔ سبھی عطر میں بسے، سب کے دِلوں میں اُمنگ۔ گاؤں کے لوگوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ، دِل اپنی غریبی سے بے خبر، صبر و سکون میں کھُویا ہوا چلا جا رہا تھا۔ بچّوں کے لیے شہر کی ہر چیز انوکھی تھی۔ جس چیز کی طرف دیکھتے بس دیکھتے ہی رہ جاتے اور پیچھے سے بار بار ہارن کی آواز ہونے پر بھی نہ

عید ملن کا ایک منظر

DELHI PUBLIC LIBRARY
Withdrawn from ......
Department ......
Item No. 13095
Checked ......

ہٹتے۔ حامد تو موٹر کے نیچے آتے آتے بچا۔

اچانک ہی عیدگاہ نظر آئی۔ اوپر املی کے گھنے درختوں کی چھایا، نیچے پکا فرش، جس پر جاجم بچھا ہوا ہے۔ روزے داروں کی لائنیں ایک کے پیچھے ایک نہ جانے کہاں تک چلی گئی ہیں۔ پکّے فرش کے نیچے تک جہاں جاجم بھی نہیں ہے۔ نئے آنے والے آ آ کر اُن کے پیچھے کی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آگے جگہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی عہدہ اور دولت نہیں دیکھتا اِسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ اِن دیہاتی لوگوں نے بھی وضو کیا اور پچھلی لائن میں کھڑے ہو گئے۔ کتنا بڑھیا اِنتظام ہے۔ لاکھوں سِر ایک ساتھ سجدے میں جُھک جاتے ہیں اور ایک ساتھ گھُٹنوں کے بل بیٹھ جاتے ہیں۔

ک۔ پ۔ د A.431267

کئی بار یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ جیسے بجلی کی لاکھوں بتّیاں ایک ساتھ جَل اُٹھیں اور ایک ساتھ بُجھ جائیں۔ اور یہی سِلسلہ چلتا رہے۔ کِتنا سہاؤنا، دِل کش نظارہ تھا ـــــ جس کا ایک ساتھ، ایک ہی طریقے سے جذبۂ عقیدت، سچّے دِل سے عبادت کرنے کا منظر دیکھنے والوں کے دِلوں کو بھی جیت لیتا تھا۔ مانو بھائی چارے اور پیار کے ایک دھاگے میں یہ ساری کی ساری روحیں بند ہو گئی ہیں۔

DELHI PUBLIC LIBRARY

نماز ختم ہو گئی ہے۔

لوگ آپس میں گلے مِل رہے ہیں۔

تب مٹھائی اور کھلونوں کی دُکانوں پر ایک ساتھ دھاوا ہوتا ہے۔ دیہاتی لوگوں کا یہ قافلہ اِس بارے میں بچّوں سے کم آتسا ہی نہیں ہے۔ یہ دیکھو ہنڈولے ہیں۔ ایک پیسہ دے کر چڑھ جاؤ۔ کبھی آسمان پر جاتے ہوئے دِکھائی دیں گے، کبھی زمین پر گرتے ہوئے۔ یہ چرخی ہے، لکڑی کے ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، چھڑوں سے لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک پیسہ دے کر بیٹھ جاؤ اور پچیس چکروں کا مزہ لو۔

محمود، محسن اور نورے و سمّی۔ اِن گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھتے ہیں۔ حامد دُور کھڑا ہے۔ تین ہی پیسے تو اُس کے پاس ہیں۔ اپنے خزانے کا تہائی، ذرا سا چکّر کھانے کے لیے نہیں دے سکتا۔

سب چرخیوں سے اُترتے ہیں۔ اب کھلونے لیں گے۔

اِدھر دُکانوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ طرح طرح کے کھلونے ہیں۔ سپاہی اور گوجریاں، راجا اور وزیر، بھشتی اور دھوبن اور سادھو۔ واہ......

کِتنے خوب صورت کھلونے ہیں۔ اب بولا ہی چاہتے ہیں۔ محمود سپاہی لیتا ہے ـــــ خاکی وَردی اور لال پگڑی والا۔ کندھے پر بندوق رکھے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی پریڈ کیے چلا جا رہا ہے۔

محسن کو بھشتی پسند آیا۔ کمر جھکی ہے، اُوپر مَشک رکھے ہوئے ہے کِتنا خوش ہے، شاید کوئی گیت گا رہا ہے۔ بس مَشک سے پانی اُنڈیلا ہی چاہتا ہے۔ مَشک کا مُنہ ایک ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے۔

نورے کو وکیل سے پیار ہے۔ کیسا جذبہ ہے اُس کے چہرے پر۔ کالا چوغہ، نیچے سفید اَچکن، اچکن کے سامنے کی جیب میں گھڑی سنہری زنجیر، ایک ہاتھ میں قانون کی کتاب لیے ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے ابھی کسی عدالت سے بحث کر کے نِکل رہا ہے۔

یہ سب دو پیسوں کے کِھلونے ہیں۔ حامد کے پاس کل تین پیسے ہیں۔ اِتنے مہنگے کِھلونے وہ کیسے لے؟ کِھلونا کہیں ہاتھ سے چھوٹ پڑے تو چور چور ہو جائے، ذرا پانی پڑے تو سارا رنگ دُھل جائے۔ ایسا کِھلونا لے کر وہ کیا کرے گا؟ یہ کِس کام کے؟

محسن ـــــ میرا بِھشتی روز پانی دے جائے گا سانجھ سویرے۔

محمود ـــــ اور میرا سپاہی گھر کا پہرہ دے گا۔ کوئی چور آئے گا تو فوراً بندوق سے فائر کر دے گا۔

نورے ـــــ اور میرا وکیل خوب مقدمے لڑے گا۔

سمّی ـــــ اور میری دھوبن روز کپڑے دھوئے گی۔

حامد کِھلونوں کی بُرائی کرتے ہوئے کہتا ہے:

ارے مٹّی کے ہی تو ہیں۔ گِر پڑیں گے تو چکنا چور ہو جائیں گے۔ لیکن ساتھ ہی للچائی ہوئی نظروں سے کِھلونوں کو دیکھ بھی رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ذرا دیر کے لیے اُنھیں ہاتھ میں لے سکتا۔ اُس کے ہاتھ اپنے آپ لپکتے ہیں

لیکن لڑکے اِتنے فراخ دل نہیں ہوتے۔ خاص کر جب کبھی نیا شوق

ہوتا ہے۔ حامد للچاتا رہ جاتا ہے۔

کھلونوں کے بعد مٹھائیاں آتی ہیں۔ کسی نے ریوڑیاں لی ہیں۔ کسی نے گلاب جامن، کسی نے سوہن حلوہ۔ مزے سے کھا رہے ہیں۔

حامد اُن کی برادری سے الگ ہے۔ بدنصیب کے پاس تین پیسے ہیں۔ کیوں نہیں کچھ لے کر کھاتا؟ للچائی نظروں سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔

محسن کہتا ہے حامد ریوڑی لے لے، کتنی خوشبودار ہے۔

حامد کو شک ہوا۔ یہ صرف اُس کا مذاق اُڑا رہا ہے۔ محسن اتنا فراخدل نہیں ہے۔ لیکن یہ جان کر بھی وہ اُس کے پاس جاتا ہے۔ محسن پُڑیا میں سے ایک ریوڑی نکال کر حامد کی طرف بڑھا دیتا ہے۔ حامد ہاتھ پھیلاتا ہے۔ محسن ریوڑی اپنے مُنہ میں ڈال لیتا ہے۔ محمود، نورے اور سمّی خوب تالیاں بجاتے ہیں، ہنستے ہیں۔

حامد شرمندہ سا ہو جاتا ہے۔

محسن — اچھا اب کی بار ضرور دیں گے۔ حامد اللہ قسم لے جا۔

حامد رکھے رہو۔ کیا میرے پاس پیسے نہیں ہیں؟

سمّی — تین ہی پیسے تو ہیں، تین پیسوں سے کیا کیا لوگے؟

محمود — ہم سے گلاب جامن لے جاؤ حامد۔ محسن تو بدمعاش ہے۔

حامد — مٹھائی کون سی بڑی نعمت ہے۔ کتاب میں اس کی کتنی بُرائیاں لکھی ہیں۔

محسن ـــ لیکن دِل میں تو کہہ رہے ہوں گے کہ ملیں تو کھا لیں، اپنے پیسے کیوں نہیں نِکالتے ؟

محمود ـــ ہم سمجھتے ہیں اِس حامد کو، جب ہمارے سارے پیسے ختم ہو جائیں گے تو ہمیں للچا للچا کر کھائے گا۔

مِٹھائیوں کے بعد کچھ دُکانیں لوہے کی چیزوں کی ہیں، کچھ گلٹ اور نقلی گہنوں کی ہیں۔ لڑکوں کے لیے یہاں کوئی کشش نہ تھی۔ وہ سب آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حامد لوہے کی دُکان پر رُک جاتا ہے۔ وہیں پر کئی چمٹے رکھے ہوئے تھے۔ اُسے خیال آیا کہ دادی کے پاس چمٹا نہیں ہے۔ توے سے روٹیاں اُتارتی ہے تو ہاتھ جَل جاتا ہے، اگر وہ چمٹا لے کر دادی ماں کو دے دے تو وہ کِتنی خوش ہوگی ؟ پھر اُن کی اُنگلیاں کبھی نہ جلیں گی۔ گھر میں ایک کام کی چیز آجائے گی، کِھلونوں سے کیا فائدہ، بے کار میں پیسے خراب ہوتے ہیں، ذرا دیر کی ہی تو خوشی ہوتی ہے۔ پِھر تو کِھلونوں کو کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ یا تو گھر پہنچتے پہنچتے ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائیں گے یا پھر چھوٹے بچّے جو میلے میں نہیں گئے ہیں ضِد کر کے لے لیں گے اور توڑ ڈالیں گے ـــ چمٹا کِتنے کام کی چیز ہے۔ روٹیاں توے سے اُتار لو، چولہے میں سیک لو، کوئی آگ مانگنے آئے تو چولہے میں سے آگ نِکال کر اُسے دے دو، اماں بے چاری کو کہاں فُرصت ہے کہ بازار جائیں اور اِتنے پیسے ہی کہاں مِلتے ہیں، روز ہاتھ جَلا لیتی ہے۔

حامد کے ساتھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ سبیل پر جا کر سب کے سب شربت

پی رہے ہیں۔ دیکھو سب کِتنے لالچی ہیں۔ اِتنی مٹھائیاں لے کر بھی مجھے کِسی نے ایک بھی نہ دی۔ اُس پر کہتے ہیں میرے ساتھ میں کھیلو، میرا یہ کام کرو۔ اب اگر کِسی نے کوئی کام کرنے کو کہا تو پوچھوں گا۔ کھائیں مِٹھائیاں، آپ مُنہ سڑے گا، پھوڑے پُھنسیاں نِکلیں گی، آپ کی زبان چٹوری ہو جائے گی۔ تب گھر کے پیسے چرائیں گے اور مار کھائیں گے۔ کتاب میں جھوٹی باتیں تھوڑے ہی لکھی ہیں۔ میری زبان کیوں خراب ہوگی۔ امّاں چمٹا دیکھتے ہی دَوڑ کر میرے ہاتھ سے لے لیں گی۔ پھر پڑوس کی عورتوں کو دِکھائیں گی سارے گاؤں میں چرچا ہوگا ـــ حامد چمٹا لایا ہے، کِتنا اچھا لڑکا ہے ـــ اِن لوگوں کے کِھلونوں پر کون دعائیں دے گا۔ بڑوں کی دعائیں سیدھی اللہ کے دربار میں پہنچتی ہیں اور اُسی وقت سُنی جاتی ہیں۔ میرے پاس پیسے نہیں ہیں تبھی تو محسن اور محمود نخرے دِکھاتے ہیں۔

میں بھی اُنھیں نخرے دِکھاؤں گا۔ کھیلیں کِھلونوں سے اور کھائیں مِٹھائیاں میں نہیں کھیلتا کِھلونوں سے، کِسی کا نخرا کیوں سہوں۔ میں غریب سہی، کِسی سے کچھ مانگنے تو نہیں جاتا۔ آخر ابّا جان کبھی نہ کبھی تو آئیں گے۔ امّاں بھی آئیں گی ہی۔ پھر پوچھوں گا، اِن لوگوں سے کِتنے کِھلونے لوگے ؟ ایک ایک کو ٹوکری بھر کِھلونے دوں گا اور دِکھا دوں کہ دوستوں کے ساتھ اِس طرح سلوک کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک پیسے کی ریوڑیاں لیں تو چِڑا چِڑا کر کھانے لگے۔ اب سب کے سب خوب ہنسیں گے کہ حامد نے چمٹا لیا ہے ـــ

ہنسیں میری بَلا سے۔
اُس نے دُکاندار سے پوچھا "یہ چمٹا کِتنے کا ہے؟"
دُکاندار نے اُس کی طرف دیکھا اور کوئی آدمی ساتھ نہ دیکھ کر کہا—
"یہ تمہارے مطلب کا نہیں ہے۔"
"کیا یہ بِکاؤ نہیں ہے؟"
"بِکاؤ کیوں نہیں ہے اور یہاں کیوں لاد لائے ہیں؟"
"تو بتاتے کیوں نہیں کِتنے پیسے کا ہے؟"
"چھ پیسے لگیں گے۔"
حامد کا دِل بیٹھ گیا۔
"ٹھیک ٹھیک بتاؤ؟"
"ٹھیک ٹھیک پانچ پیسے لگیں گے۔ لینا ہو تو لو، نہیں تو جاؤ۔"
حامد نے کلیجہ مضبوط کر کے "تین پیسے لوگے؟"
یہ کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا کہ دُکاندار کی گھُڑکیاں نہ سُنیں۔ لیکن دُکاندار نے کوئی گھُڑکی نہ دی، بلکہ بُلا کر اُسے چمٹا دے دیا۔ حامد نے اُسے اِس طرح کندھے پر رکھا، مانو بندوق ہے اور شان سے اکڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔
ذرا سُنیں اب سب کے سب کیا کیا نکتہ چینی کرتے ہیں۔
محسن نے ہنس کر کہا "یہ چمٹا کیوں لایا پگلے؟ بھلا اِس کا تُو کیا کرے گا؟"
حامد نے چمٹے کو زمین پر پٹختے ہوئے کہا:

"ذرا اپنا بھشتی زمین پر گِرا دو — ساری پسلیاں چور چور ہو جائیں گی بچے کی۔"
محمود بولا "تو یہ چمٹا کوئی کِھلونا ہے؟"
حامد "کِھلونا کیوں نہیں؟ ابھی کندھے پر رکھا بندوق ہو گئی۔ ہاتھ میں لیا فقیروں کا چمٹا ہو گیا۔ چاہوں تو اِس سے مُجیرے کا کام لے سکتا ہوں، ایک چمٹا جما دوں تو، تم لوگوں کے سارے کِھلونوں کی جان نِکل جائے اور تمہارے کِھلونے کِتنا بھی زُور لگائیں، وہ میرے چمٹے کا بال بھی بانکا نہیں کر سکتا۔ میرا بہادر شیر ہے چمٹا۔"
سمی نے خنجری لی تھی، وہ متاثر ہو کر بولا "میری اِس چھوٹی خنجری سے بدلو گے اِسے؟ دو آنے کی ہے۔"
حامد نے خنجری کی طرف حقارت سے دیکھا اور بولا "میرا چمٹا چاہے تو تمہاری اِس چھوٹی سی خنجری کا پیٹ پھاڑ ڈالے۔ بس ایک چمڑے کی جھلّی لگا دی، ڈھب ڈھب بولنے لگی۔ ذرا سا پانی لگ جائے تو ختم ہو جائے۔ میرا بہادر چمٹا آگ میں، پانی میں برابر ڈٹا کھڑا رہے گا۔
چمٹے نے سب کو ہی موہت کر لیا۔ لیکن اب پیسے کِس کے پاس دھرے ہیں، پھر میلے سے دُور نِکل آئے ہیں۔ نَو کب کے بج گئے ہیں دھوپ تیز ہو رہی ہے، گھر پہنچنے کی جلدی ہو رہی ہے۔ باپ سے ضد بھی کریں تو چمٹا نہیں مِل سکتا ہے۔ حامد بڑا چالاک ہے اِسی لیے تو بدمعاش نے اپنے پیسے بچائے رکھے تھے۔

اب بچوں کی دو ٹولیاں ہیں۔ محسن، محمود، سمّی اور نورے ایک طرف ہیں، حامد اکیلا —— دوسری طرف۔ مذہب کے بارے میں بتایا جا رہا تھا سمّی تو الگ ہٹ گیا، دوسری ٹولی سے جا ملا۔ لیکن محسن، محمود اور نورے بھی حامد سے ایک ایک، دو دو سال بڑے ہونے پر حامد کے اِس جملے سے تلملا اُٹھے تھے۔ اُس کے پاس اِنصاف کی طاقت ہے اور چالاکی کا ہتھیار۔ ایک طرف مٹّی ہے دوسری طرف لوہا۔ جو اِس وقت اپنے کو فولاد کہہ رہا ہے۔ اُسے کوئی جیت نہیں سکتا۔ وہ خطرناک ہے۔ اگر کوئی شیر آ جائے تو میاں بھشتی کے چھکّے چھوٹ جائیں گے، میاں سپاہی مٹی کی بندوق چھوڑ کر بھاگے۔ وکیل صاحب کی نانی مر جائے چوغے میں مُنہ چھُپا کر زمین پر لیٹ جائے۔

مگر یہ چمٹا۔ یہ بہادر، یہ رستمِ ہند۔ لپک کر شیر کی گردن پر سوار ہو جائے گا اور اُس کی آنکھیں نِکال لے گا۔

محسن نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کہا "اچھا پانی تو نہیں بھر سکتا۔"

حامد نے چمٹے کو سیدھا کھڑا کر کے کہا "بھشتی کو ایک ڈانٹ بتائے گا تو دَوڑا ہوا پانی لا کر اُس کے دروازے پر چھڑکنے لگے گا۔

محسن ہار گیا، پر محمود نے کُمک پہنچائی:

"اگر بچّہ پکڑا جائے تو عدالت میں بندھے بندھے پھریں گے، تب تو وکیل صاحب کے ہی پاؤں پکڑیں گے۔"

حامد اِس زور دار دلیل کا جواب نہ دے سکا۔ اُس نے پوچھا:

"ہمیں پکڑنے کون آئے گا؟"

نورے نے جواب دیا "یہ سپاہی بندوق والا۔"

حامد نے مُنہ چِڑا کر کہا "یہ بے چارے ہمارے بہادر رُستمِ ہند کو پکڑیں گے اچھّا لاؤ ابھی ذرا کُشتی ہو جائے۔ اِس کی صورت دیکھ کر دُور بھاگیں گے، پکڑیں گے کیا بے چارے۔"

محسن کو ایک نئی چوٹ سُوجھ گئی "تمہارے چمٹے کا مُنہ روز ہی آگ میں جلے گا۔"

اُس نے سمجھا تھا کہ حامد لاجواب ہو جائے گا لیکن یہ بات نہ ہوئی۔ حامد نے جھٹ سے جواب دیا "آگ میں بہادر ہی کودتے ہیں جناب، تمہارے یہ وکیل، سپاہی اور بھشتی بھیڑیوں کی طرح گھر میں گھُس جائیں گے۔ آگ میں کودنا، وہ کام ہے جو یہ رُستمِ ہند ہی کر سکتا ہے۔"

محمود نے زور دے کر کہا "وکیل صاحب کُرسی پر بیٹھیں گے، تمہارا چمٹا تو باورچی خانے میں زمین پر پڑا رہے گا۔"

اِس دلیل نے سمّی اور نورے کو بھی دوبارہ سے تیار کر دیا۔ کِتنے ٹھکانے کی بات کہی ہے پٹھے نے۔ چمٹا باورچی خانے میں پڑے رہنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔"

حامد بے چارے کو کوئی پھڑکتا ہوا جواب نہ سوجھا تو اُس نے دھاندلی شروع کی

"میرا چمٹا باورچی خانے میں نہیں رہے گا، وکیل صاحب کُرسی پر

بیٹھیں گے تو جا کر اُنھیں چُنّج دے گا اور اُن کا قانون اُن کے پیٹ میں ڈال دے گا۔"

بات کچھ بنی نہیں۔ خاصی گالی گلوچ تھی۔ لیکن قانون کو پیٹ میں ڈالنے والی بات ایسی چھا گئی کہ وہ تینوں منہ دیکھتے رہ گئے مانو کوئی ڈھیلچو کنکوا کسی گنڈے والے کنکویے کو کاٹ گیا ہو۔ قانون مُنہ سے باہر نکلنے والی چیز ہو۔ اُس کے پیٹ کے اندر ڈال دیا، بے تُکی سی بات ہونے پر بھی کچھ نیا پن رکھتی ہے۔ حامد نے میدان مار لیا۔ اُس کا چمٹا رُستمِ ہند ہے۔ اب اِس سے محسن، محمود، نورے، سمّی کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو سکتا ہے۔

فاتح کو ہرانے والے سے جو عزت ملنی قدرتی ہے۔ وہ حامد کو بھی ملی اور سب نے تین تین چار چار آنے خرچ کیے۔ پر کوئی کام کی چیز نہ لے سکے حامد نے تین پیسے میں رنگ جما لیا۔ سچ ہی تو ہے۔ کھلونوں کا کیا بھروسہ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، حامد کا چمٹا بنا رہے گا برسوں۔

صُلح کی شرط طے ہونے لگی۔ محسن نے کہا" ذرا اپنا چمٹا دو ہم بھی دیکھیں تم ہمارا بِھشتی لے کر دیکھو۔

محمود اور نورے نے بھی اپنے کھلونے پیش کیے۔

حامد کو اِن شرطوں کو ماننے میں کوئی اعتراض نہ تھا۔

چمٹا باری باری سے سب کے ہاتھوں میں گیا۔ اُن کے کھلونے باری باری سے حامد کے ہاتھوں میں آئے۔

"کِتنے خوب صورت کھلونے ہیں"

حامد نے ہرانے والے کے آنسو پونچھے۔

"مَیں تو تمہیں چِڑا رہا تھا"

"بھلا یہ لوہے کا چمٹا ان کھلونوں کی کیا برابری کرے گا۔ معلوم ہوتا ہے اب بولے، اب بولے"

لیکن محسن کی پارٹی کو اِس دِلاسے سے تسلّی نہیں ہوئی۔ چمٹے کا سکّہ خوب جم گیا، چپکا ہوا ٹکٹ اب پانی سے چھوٹ نہیں رہا۔

محسن "لیکن اِن کھلونوں کے لیے کوئی ہمیں دعا تو نہیں دے گا"

محمود۔ دعا کے لیے پِھرتے ہو، اُلٹے مار نہ پڑے۔ امّاں ضرور کہیں گی کہ میلے میں مٹی کے کھلونے ہی تمہیں ملے"

حامد کو ماننا پڑا کہ کھلونوں کو دیکھ کر کِسی کی ماں خوش نہ ہو گی جتنی میری دادی چمٹے کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔ تین پیسے میں ہی تو اُسے سب کچھ کرنا تھا۔

ان پیسوں کو کام میں لانے پر اُسے پچھتاوے کی بالکل ضرورت نہ تھی، پھر اب تو چمٹا رُستمِ ہند تھا۔

سارے کھلونوں کا بادشاہ۔

راستے میں محمود کو بھوک لگی۔ اُس کے والد نے کیلے کھانے کے لیے دیئے تھے۔ محمود نے صِرف حامد کو اپنا حصّے دار بنایا۔

اس کے باقی سارے دوست مُنہ دیکھتے رہ گئے۔

یہ اُس چمٹے کا پرساد تھا۔

گیارہ بجے سارے گاؤں میں ہلچل مچ گئی۔ میلے والے آ گئے۔ محسن کی چھوٹی بہن نے دوڑ کر اُس کے ہاتھ سے بہشتی چھین لیا۔ اور مارے خوشی کے جو اُچھلی تو میاں بہشتی نیچے آ رہے۔ اور اگلے جہان پہنچ گئے۔

اِس پر بھائی بہن میں مار پیٹ ہوئی۔

دونوں خوب روئے۔

اُن کی امّاں یہ شور سُن کر بگڑیں اور دونوں کے اوپر سے دو دو چانٹے لگائے۔

میاں نورے کے وکیل کا انجام۔ اُس کی شان کے مطابق اِس سے بھی زیادہ عزّت سے ہوا۔ وکیل زمین پر یا کھڑکی میں تو نہیں بیٹھ سکتے اُس کی عزّت کا خیال تو کرنا ہوگا۔

بس دیوار میں دو کھونٹیاں گاڑی گئیں۔ اُن پر لکڑی کا ایک پٹرا رکھا گیا۔ پٹرے پر کاغذ کا ایک قالین بچھایا گیا۔ وکیل صاحب راجہ بھوج کی طرح، تخت پر براجے۔ نورے نے اُنھیں پنکھا جَھلنا شروع کیا۔ عدالت میں خس کی ٹٹیاں اور بجلی کے پنکھے رہتے ہیں۔ کیا یہاں معمولی پنکھا بھی نہ ہو۔ قانون کی گرمی دماغ پر چڑھ جائے گی کہ نہیں۔

بانس کا پنکھا آیا اور نورے ہَوا کرنے لگا۔ نہ جانے پنکھے کی ہَوا سے یا پنکھے کی چوٹ سے وکیل صاحب زِندگی کی دُنیا سے موت کی

دُنیا میں پہنچ گئے اور اُن کا مٹی چولا، مٹی میں مِل گیا۔ پھر بڑے زُور شور سے ماتم ہوا اور وکیل صاحب کی ہڈی پسلیاں کوڑے میں ڈال دی گئیں۔

اب رہا محمود کا سپاہی

اُسے چٹ پٹ گاؤں میں پہرہ دینے کا کام مل گیا۔ لیکن پولیس کا سپاہی کوئی معمولی آدمی تو تھا نہیں۔ جو اپنے پاؤں سے چلے۔ وہ پالکی پر چلے گا ایک ٹوکری آئی۔ اُس میں کچھ لال رنگ کے پھٹے پُرانے چیتھڑے بچھائے گئے جِس سے سپاہی صاحب آرام سے لیٹیں۔

نورے نے یہ ٹوکری اُٹھائی اور اپنے دروازے کا چکّر لگانے لگے اُن کے دونوں چھوٹے بھائی سپاہی کی طرف سے بولنے والے جاگتے رہے پُکارتے چلتے ہیں۔

مگر رات تو اندھیری ہونی چاہیے۔ محمود کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ ٹوکری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گِر جاتی ہے۔ اور میاں سپاہی اپنی بندوق لیے زمین پر آ جاتے ہیں۔ اُن کی ایک ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔ محمود کو آج پتہ چلا کہ وہ اچھا ڈاکٹر ہے۔ اُس کی اَیسا مرہم مِل گیا ہے جو ٹوٹی ٹانگ کو آنًا فانًا میں جوڑ سکتا ہے صِرف گُولر کا دودھ چاہیے۔ گولر کا دودھ آتا ہے۔ ٹانگ جوڑ دی جاتی ہے۔ لیکن سپاہی کو یوں ہی کھڑا کیا جاتا ہے۔ ٹانگ جواب دے دیتی ہے۔ یہ سب محنت بے کار ہوئی۔ تب اُس کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دی جاتی ہے۔ اب کم سے کم ایک جگہ آرام

سے بیٹھ سکتا تھا۔ اب وہ سپاہی سنیا سی ہو گیا ہے۔ اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے کبھی کبھی دیوتا بھی بن جاتا ہے۔ اُس کے سر کی جھالر دار پگڑی کھرچ دی گئی ہے۔ اب اُسے جتنا بھی چاہو بدل سکتے ہو۔ کبھی کبھی تو اُس سے باٹ کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

اب میاں حامد کا حال سُنیے۔

آمینہ اُس کی آواز سُنتے ہی دوڑی اور اُسے گود میں اُٹھا کر پیار کرنے لگی۔ اچانک اُس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونکی۔

"یہ چمٹا کہاں سے آیا؟"

"مَیں نے مول لیا ہے۔"

"کِتنے پیسے میں؟"

"تین پیسے دیے۔"

آمینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ یہ کیسا ناسمجھ لڑکا ہے کہ دوپہر ہو گئی۔ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا یہ چمٹا۔"

"سارے میلے میں تجھے اور کوئی چیز نہ ملی جو لوہے کا چمٹا اُٹھا لایا؟"

حامد ایک مجرم کی آواز میں بولا "تمہاری اُنگلیاں توے سے جل جاتی تھیں اِس لیے مَیں نے اِسے لے لیا۔"

بوڑھی عورت کا غصّہ ایک دم سے پیار میں بدل گیا۔ پیار بھی ایسا نہیں بناوٹی ہوتا ہے۔ خالی الفاظ سے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ یہ خاموش پیار

سے بیٹھ سکتا تھا۔ اب وہ سپاہی سنیاسی ہو گیا ہے۔ اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے کبھی کبھی دیوتا بھی بن جاتا ہے۔ اُس کے سر کی جھالر دار پگڑی کھُرچ دی گئی ہے۔ اب اُسے جتنا بھی چاہو بدل سکتے ہو۔ کبھی کبھی تو اُس سے باٹ کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

اب میاں حامد کا حال سُنیے :-

آمینہ اُس کی آواز سُنتے ہی دوڑی اور اُسے گود میں اُٹھا کر پیار کرنے لگی۔ اچانک اُس کے ہاتھ میں چمٹا دیکھ کر وہ چونکی۔

"یہ چمٹا کہاں سے آیا؟"

"مَیں نے مول لیا ہے۔"

"کتنے پیسے میں؟"

"تین پیسے دیئے۔"

آمینہ نے چھاتی پیٹ لی۔ یہ کیسا ناسمجھ لڑکا ہے کہ دوپہر ہو گئی۔ کچھ کھایا نہ پیا۔ لایا کیا یہ چمٹا۔

"سارے میلے میں تجھے اور کوئی چیز نہ ملی جو لوہے کا چمٹا اُٹھا لایا؟"

حامد ایک مجرم کی آواز میں بولا "تمہاری اُنگلیاں توے سے جل جاتی تھیں اس لیے مَیں نے اِسے لے لیا۔"

بوڑھی عورت کا غصّہ ایک دم سے پیار میں بدل گیا۔ پیار بھی ایسا نہیں بناوٹی ہوتا ہے۔ خالی الفاظ سے ہی بیان کیا جاتا ہے۔ یہ خاموش پیار

سچا پیار، دِلی پیار ــــ بچّے میں کتنا قربانی کا جذبہ ہے، کتنا خلوص ہے۔ اُس نے اپنے لیے تو کچھ نہیں لیا۔ دوسروں کو کھلونے لیتے اور مٹھائی کھاتے دیکھ کر اس کا مَن کتنا للچایا ہوگا۔ آمینہ کا دِل خوشی سے اُچھل پڑا۔

اور اب ایک بڑی عجیب بات ہوئی، حامد کے اِس چمٹے سے بھی عجیب۔ بچّے حامد نے بوڑھے حامد کا پارٹ کھیلا تھا۔ بوڑھی آمینہ رونے لگی بچّی بن کر دامن پھیلا کر حامد کو دعائیں دیتی جاتی تھی اور آنسوؤں کی بڑی بڑی بوندیں گِرتی جاتی تھیں۔

ختم شُد

inted at : Kumar Offest Printing Press 6/108, Gali No. 3,
Vishwas Nagar, Shahdara, Delhi-110032